

سب چور!!

صبح بخیر..... ڈاکٹر صفدر محمود

چکی بات یہ ہے کہ انگلستان سے ایک مہربان کی ای میل پڑھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں اور میں ابھی تک صدمے سے چور حیرت کدے میں بیٹھا اپنے قومی مقدر پر آنسو بہا رہا ہوں۔ میرے اس مہربان نے مجھے قوم کی لوٹی ہوئی دولت سے خریدی گئی جائیدادوں کی تفصیلات بھیجوائی ہیں اور یہ وہ جائیدادیں ہیں جو ہمارے سیاستدانوں اور ان کے کنکشن ایجنٹوں یا ہرکاروں نے بیرون ملک بنائیں اور خریدیں اور پھر صدر صاحب کے جاری کردہ این آر او کے طفیل قانونی اور حلال کروالیں۔ یہ تمام حضرات اب صدر صاحب کے جاری کردہ این آر او کی لنگائی میں نہا کر ”پوتر“ اور پاک صاف ہو چکے ہیں اور بڑے بڑے عہدوں پر متمکن ہیں۔ ان صاحب کا کہنا ہے کہ تم نے بار بار جو لکھا ہے کہ این آر او ہماری تاریخ کا ملکی خزانے پر سب سے بڑا ڈاکہ ہے یہ سو فیصد درست ہے لیکن میں صدر صاحب سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے کس آئین اور قانون کے تحت یہ آرڈیننس جاری کیا اور ملکی خزانے سے کھربوں روپے کی چوری کو جائز قرار دے دیا۔ ان صاحب کا کہنا ہے کہ صدر صاحب نے یہ آرڈیننس جاری کر کے آئین سے انحراف کیا۔ اس لئے اسے بھی ان کے مواخذے کی بنیاد بنانا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں کیونکہ این آر او کا سب سے زیادہ فائدہ صرف حکمرانوں کو پہنچا ہے اور اس بات کا خاصا امکان ہے کہ جب صدر صاحب پر مواخذے کے لئے الزامات لگائے جائیں تو وہ بھی جواباً این آر او کی ”گندی پوٹلی“ کھول دیں اور انتقام کے طور پر لوٹ مار کی داستانیں بے نقاب کر دیں، یعنی ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔ بہر حال میرے اس مہربان کو اس بات کا دکھ ہے کہ ہمارے ملکی وسائل کو بے رحمی سے لوٹا گیا ہے اور اس کا کہنا ہے کہ اگر ایسا کسی متمدن ملک میں ہوا ہوتا تو لوگ قومی مجرموں کی ہڈیاں نوچ لیتے اور ایسے لوگوں کو معاف کرنے والے کو بھی عبرت کی مثال بنا دیتے۔

اس میں ایک قابل غور بات یہ بھی ہے کہ فوجی آمر اپنا اقتدار بچانے کے لئے کس حد تک چلے جاتے ہیں اور کیا کیا کر گزرتے ہیں۔ اب تو خیر یہ کوئی راز نہیں رہا۔ سب اہل گلستان جانتے ہیں کہ صدر صاحب نے این آر او اپنے اقتدار کی حفاظت کے لئے سو دے بازی کر کے جاری کیا تھا اور کئی ملک ان کے خلاف تیس دیں تھیں۔ اب جب صدر صاحب کو مواخذے کے کنبہ میں کھڑا کیا جا رہا ہے تو حقائق دینے والے خاموش قماشائی بنے ہوئے ہیں۔ اب تو شاید صدر صاحب بھی شہنشاہی آئیں بھر کر سوچتے ہوں کہ اس سے تو افتخار چوہدری ہی اچھا تھا جس نے این آر او کا نوٹس لیا تھا۔ وہ چیف جسٹس رہتا تو این آر او کو غیر آئینی قرار دے کر صدر صاحب کے لئے سہولت پیدا کر دیتا۔ اب اگر صدر صاحب این آر او پر سپریم کورٹ کی مدد چاہیں تو شاید ان کی مشکل آسان نہ ہو۔ اسے کہتے ہیں نہ خدا ہی ملانہ وصال صنم..... صدر صاحب ”پہلے پاکستان“ کا نعرہ لگاتے کھربوں کی چوری معاف کر کے خدا اور خدا کی مخلوق کو بھی ناراض کر چکے اور جس اقتدار کے صنم کے وصال کے لئے انہوں نے خدا کی ناراضگی لی وہ صنم بھی اب آنکھیں چرا رہا ہے۔ میں حساب کتاب بندہ نہیں کیونکہ میں قذفا ہونے کے ناطے صرف درود کا حساب رکھتا ہوں۔ میرے اس مہربان نے پاکستان سے لوٹی گئی دولت کا اندازہ اور حساب کتاب کر کے مجھے سمجھایا ہے کہ یہ فقط کوئی 30 کھرب روپے بنتے ہیں جنہیں صدر صاحب نے این آر او کے تحت ”حلال“ کر دیا ہے۔ جائیدادوں کی اس فہرست میں وہ مل بھی شامل ہے جو صرف 1359 میگزین پر پھیلا ہوا ہے اور وہ ایکڑ بھی انگلستان کے ہیں جہاں زمین پاؤنڈوں میں خریدی جاتی ہے۔ اس دوست کا دعویٰ ہے کہ امریکی سی آئی اے نے بعض لیڈروں کی فون کالوں کے ذریعے جن خفیہ اکاؤنٹوں کی تفصیلات انکسپی کی ہیں اور جن کا ذکر امریکی صحافی ران سسکینڈ نے اپنی کتاب ”دی وے آف دی ورلڈ“ میں کیا ہے۔ ان میں بے پناہ ڈالر، ہیرے اور جواہرات چمک رہے ہیں۔ اس مہربان نے ایک ایسے حساب دان کی مانند حساب لگا کر مجھے سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ اس لوٹی گئی دولت کو واپس لے کر لاکھوں غریب خاندانوں کو نہ صرف مکان مہیا کئے جاسکتے تھے بلکہ انہیں غربت کے چنگل سے نکال کر اپنے بیروں پر بھی کھڑا کیا جاسکتا تھا۔ ایک کروڑ غریبوں کی غربت ختم کی جاسکتی تھی۔ میرے اس دوست نے نہایت دکھ سے لکھا ہے کہ اس ملک کا مقدر کبھی سنو نہیں سکتا جس کے لیڈر، سیاستدان، جرنیل اور بیوروکریٹس بھوکے گدھوں کی مانند اپنے ملک کے جسم کا گوشت نوچتے رہے ہوں۔ اس کا خیال ہے کہ جس ملک میں قومی مجرموں کو معزز بنا دیا جائے اس کا مقدر بدلنے کے لئے سر جیکل آپریشن اور انقلاب کی ضرورت ہوتی ہے۔ انقلاب عوام لاتے ہیں اور سر جیکل آپریشن قوم کے مسیحا کرتے ہیں۔ پاکستان کا یہ عالم ہے کہ عوام بے حس اور مایوس ہو چکے ہیں اور ان میں انقلاب کی خواہش مرچکی ہے۔ مجھے مستقبل میں بھی دور دور تک امید کی کرن نظر نہیں آتی۔ اس ای میل میں ٹرانسپیرینسی انٹرنیشنل کی رپورٹ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ جب صدر پرویز مشرف صاحب بحیثیت کیڈٹ سرکاری ملازمت میں آئے تو ان کے کل اثاثے تین ہزار روپے مالیت کے لگ بھگ تھے جبکہ اب وہ اربوں روپے کی جائیداد کے مالک ہیں جس کا ایک حصہ وہ اپنی اولاد کو منتقل کر چکے ہیں۔ صرف ایک الاٹمنٹ کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ اسلام آباد میں صدر صاحب کو ایک فارم لینڈ الاٹ ہوا جو مبلغ 69 لاکھ ڈالر کا تھا۔ صدر صاحب نے اسے بیچ کر ایک کروڑ 34 لاکھ ڈالر کی منقولہ جائیداد بنائی۔ آج کل ڈالر 74 روپے کا ہے۔ اس رقم کو 74 سے ضرب دے لیں کیونکہ میرا حساب کمزور ہے۔ زرعی اراضی، ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹیوں میں ان گنت رہائشی پلاٹ اس کے علاوہ ہیں۔ میرے اس مہربان نے مجھ سے پوچھا ہے کہ آخر وہ کونسا جا دو ہے جس کے ذریعے تین ہزار مالیت کے اثاثوں والا ایماندار سرکاری ملازم 35,36 برسوں میں ارب پتی بن جاتا ہے۔ یہی حال باقی جرنیلوں، ایئر فورس اور نیوی کے بڑے بڑے عہدیداران کا ہے اور جب اس طرح کا لوٹ مار کا کچھ ملک کا حاکم ہو تو پھر کسی وزیر عظم کا اربوں بنا کر بھاگ جانا اور جاتے جاتے ممنون کرنے کیلئے وفاقی سیکرٹریوں کو کروڑوں کی مالیت کے پلاٹ قانون میں لچک پیدا کر کے الاٹ کر جانا قابل فہم ہوتا ہے بلکہ اس لوٹ مار کے کچھ کا حصہ ہوتا ہے کیونکہ چور دوسرے چوروں کو پناہ دیتے ہیں ان کے کارناموں پر پردہ ڈالتے ہیں اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ مجھے سچ سمجھ نہیں آتا تھا کہ آخر صدر صاحب نے این آر او کیوں جاری کیا، ملک سے لوٹی گئی دولت کو واپس لانے کی بجائے اسے قانونی تحفظ دے کر جائز کیوں قرار دے دیا کیونکہ یہ پاکستان کے عوام کی امانت تھی جس میں صدر صاحب کو خیانت کا کوئی حق نہیں پہنچتا تھا اب وہ کس منہ سے اسے انتقامی کارروائی کے لئے استعمال کریں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ای میل پڑھ کر ساری بات میری سمجھ میں آگئی ہے آپ سمجھے ہیں یا نہیں خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

Khedshaat Aur Khetraat

August 11th, 2008

Nana Ki Haveli

Find Deals, Read Reviews from Real People.
Get the Truth. Then Go.

AsiaRooms Hotels Booking

Asia No. 1 Hotel Booking Site, Save Money
On Our Best Choices Of Hotels

خداشات اور خطرات

صبح بخیر..... ڈاکٹر صفدر محمود

18 فروری کے انتخابی نتائج کے بعد یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ قوم معزول جموں کی بحالی اور صدر کا استعفیٰ چاہتی ہے۔ انتخابات کے بعد ان پانچ ماہ میں یہ مطالبات زور پکڑتے چلے گئے اور ہر طرف سے حکومت پر دباؤ ڈالا جاتا رہا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان دونوں محاذوں پر پیش رفت نہ ہونے کے سبب حکمرانوں کو تنقید کا نشانہ بنایا جاتا رہا۔ وقت گزرنے کے ساتھ یہ تنقید مایوسی اور دل شکنی کے سانچے میں ڈھل گئی۔ اب جب کالیشن کی اتحادی جماعتوں نے صدر صاحب کے مواخذے کا فیصلہ اور اعلان کیا ہے اور اس ضمن میں ایک حکمت عملی کے تحت آگے بڑھا جا رہا ہے تو ہر طرف سے خداشات اور خطرات کا اظہار ہونے لگا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قوم نے مجموعی طور پر اس فیصلے کا خیر مقدم کیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ شکوک و شبہات کے طبل بھی بجائے جا رہے ہیں۔ اس ضمن میں سب سے اہم اور بلند آواز اعتراض اس کی ہے جن کا تبصرہ میں نے ”جیو“ پر سنا اور ان کا ایک فقرہ میرے ذہن پر چپک کر رہ گیا۔ اعتراض اس نے اس فیصلے پر شکوک و شبہات کا ذکر کرتے ہوئے یہ تک کہہ دیا کہ اگر ایوان صدر میں بھی منصوبہ بنایا جاتا تو وہ ایسا منصوبہ ہی ہوتا۔ مطلب واضح ہے کہ اس چال کا مقصد صدر صاحب کو موجودہ سیاسی خلفشار سے نکالنا ہے کیونکہ اعتراض اس کا خیال ہے کہ مواخذے کی تحریک کامیاب نہیں ہو سکے گی اور یوں صدر صاحب ایک بار پھر مزید طاقتور صدر بن کر ابھریں گے اور ان پر لگے گئے اثرات کی سیاسی بھی دھجلی جائے گی۔ نتیجے کے طور پر حکومت اور پارلیمنٹ کمزور ہو جائے گی اور پھر جموں کی بحالی ممکن نہیں رہے گی۔ اصل بات تو یہ ہے کہ اعتراض اس دن رات جموں کی بحالی کے لئے تحریک چلا رہے ہیں اور ان کی پہلی ترجیح یہی ہے۔ اس حوالے سے انہیں صدمہ پہنچا ہے کیونکہ ان کا اس بات پر ”ایمان“ ہے کہ جموں کی بحالی پہلے ہونی چاہئے پھر پھر صدر صاحب سے نپٹ لیں گے۔ میاں نواز شریف کی پہلی ترجیح بھی یہی تھی لیکن سیاست کچھ لینے اور کچھ دینے کا نام ہے۔ زرداری صاحب گزشتہ پانچ ماہ سے پاؤں کھسکا رہے تھے اس لئے انہیں قابو کرنا بھی کوئی آسان کام نہ تھا۔ دوسری طرف صدر صاحب کئی بار کہہ چکے تھے کہ اگر جموں کو بحال کیا گیا تو وہ بلا درغی 58(2)B استعمال کریں گے۔ یہ بھی خطرہ تھا کہ اگر جموں کو آئینی ترمیم کے بغیر بحال کیا جائے تو شاید موجودہ عدلیہ بھی راستے میں حائل ہو جائے جبکہ آئینی ترمیم کے لئے دونوں ایوانوں میں الگ الگ دو تہائی اکثریت کی ضرورت تھی جس سے حکومت اس وقت محروم ہے۔ شاید انہی خطرات کے پیش نظر یہ ضروری سمجھا گیا کہ پہلے صدر کا مواخذہ کر لیا جائے تاکہ جموں کی بحالی میں حائل رکاوٹ رفع ہو جائے پھر جموں کو بحال کرنا آسان ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اب جموں کی بحالی کا انحصار مواخذے کی تحریک کی کامیابی پر ہے اور یہی وجہ ہے کہ وکلاء حضرات اس پر شک و شبہات کا اظہار کر رہے ہیں کیونکہ انہیں مواخذے کی کامیابی کا مکمل یقین نہیں۔ پھر وکلاء کا یہ گروہ سمجھتا ہے کہ جموں کو محض ایگزیکٹو آرڈر کے ذریعے بحال کیا جاسکتا ہے جبکہ حکومتی آئینی ماہرین کا اصرار ہے کہ اس کے لئے دو تہائی اکثریت درکار ہے کیونکہ سپریم کورٹ صدر صاحب کے تین نومبر کے اقدامات کو (Validate) قانونی تحفظ دے چکی ہے۔ اس پس منظر میں حکومتی ماہرین اور وکلاء اہمناؤں کی سوچ میں ایک خلیج حائل ہے جسے ان پانچ مہینوں میں پانا نہیں جا سکا اور جو اس وقت خداشات کی بنیاد بن چکی ہے۔

مواخذے کی تحریک کے ضمن میں بے پناہ خداشات اور خطرات کا اظہار کیا جا رہا ہے جن میں 58(2)B کے استعمال کا خطرہ تقریباً تقریباً ناخوف کھو چکا ہے کیونکہ اس بات پر اتفاق رائے ہے کہ صدر موجودہ حالات میں اسمبلیوں اور وزیراعظم کو گھر نہیں بھجوا سکتے۔ خود صدر نے بھی برما کہہ دیا ہے کہ وہ اس اختیار کا استعمال نہیں کریں گے بلکہ اثرات کا جواب دیں گے۔ میرا خیال ہے کہ صدر صاحب کی بات مان لینے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ ایک اندیشہ پرس نے آشکار کیا ہے کہ صدر صاحب نے اس اختیار کے استعمال کی اجازت آرمی چیف سے چاہی تھی لیکن آرمی چیف نے انکار کر دیا۔ گویا صدر صاحب اور آرمی چیف کی ملاقات میں یہ صاحب بھی کہیں پردے کے پیچھے کھڑے تھے۔ ماشاء اللہ ہماری قوم کا تخیل نہایت زرخیز اور ذہن نہایت رسا ہے اس لئے آج کل ہر طرف اندازوں، آشکافات اور معلومات کا جمعہ بازار سجا ہے۔

میں نے اس حوالے سے لاتعداد لوگوں سے گفتگو کی ہے اور ان خداشات کی بنیاد کو کھینچنے کی طاہل علمانہ کوشش کی ہے جس کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اکثر حضرات جناب زرداری صاحب کے ٹریک ریکارڈ کی بنیاد پر شبہات کا شکار ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ زرداری صاحب امین فہیم کے وزارت اعلیٰ کے اعلان سے لے کر جموں کی بحالی کے اعلان تک بار بار پانے پلٹتے، موقف بدلتے اور پاؤں کھسکاتے رہے ہیں۔ اعلان مجور بن کی خوشخبری سنانے کے بعد وہ جس طرح آئینی چیلنج کے سحر میں مبتلا ہو کر آئینی مذاکرات اور بعد ازاں معاملات لٹکاتے رہے ہیں اور اس عرصے میں ان کی ساری توجہ این آراؤ کے تحت مقدمات سے خلاصی پر رہی اور پھر جس طرح وہ صدر سے ورکنگ ریلیشن اور عدم تصادم کا پرچار کرتے رہے ہیں اس سے انہیں شبہ ہے کہ کہیں یہ بھی میاں نواز شریف کے غبارے سے ہوا نکالنے کی ترکیب نہ ہو۔ میں نے اپنے طور پر ان حضرات کے خداشات رفع کرنے کی بھرپور کوشش کی کیونکہ میں خلوص نیت سے سمجھتا ہوں کہ زرداری صاحب جیسا سمجھدار انسان ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ خدا خواستہ اگر مواخذے کی تحریک کسی بد نیتی کے سبب ناکام ہوتی ہے یا یوں بھی ناکام ہوتی ہے تو اس کے نتیجے کے طور پر حکومت نہایت کمزور ہو جائے گی جو پہلے ہی خاصی غیر موثر اور غیر فعال ہے اور پھر رد عمل کے طور پر ”گو زرداری گو“ کے نعرے لگیں گے اور حکومت کے لئے اقتدار میں رہنا ناممکن ہو جائے گا۔ بھلا اس طرح کی سیاسی خودکشی کوئی شخص یہ ہوش دھواں کر سکتا ہے؟

یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ مخدوم امین فہیم، پیو ریڈاڈا صاحب اور ایم کیو ایم اس تحریک کی ناکامی کا سبب بن سکتے ہیں۔ رحمت وردگ تحریک استقلال والے دعویٰ کر رہے ہیں کہ حکومتی جماعت کے کم از کم پچاس اراکین مواخذے کے روز غیر حاضر ہوں گے۔ کچھ سیاسی دانشوروں کا کہنا ہے کہ مخدوم امین فہیم کو بچیں اراکین کی حیات حاصل ہے۔ ہمارے شاہ صاحب کا دعویٰ ہے کہ صدر کو کوئی خطرہ نہیں۔ کچھ وکلاء نے یہ شوش چھوڑا ہے کہ اس تحریک کے راستے میں سپریم کورٹ روڑے لگاسکتی ہے جو میرے نزدیک ممکن نہیں کیونکہ پارلیمنٹ مقتدر ادارہ ہے اور وہ آئین میں دیئے گئے طریقے پر عمل کر رہی ہے۔ ایم کیو

ایم نے اپنا موقف واضح کر دیا ہے اور پھر سائیں ہمیشہ جی ایچ کیو کی طرف دیکھتے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ انہیں وہاں سے کیا اشارہ ملتا ہے؟ لیکن مخدوم امین فہیم جن کا میں احترام کرتا ہوں اور جن کے وزیر اعظم بننے کی میں نے حمایت کی تھی حالانکہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، بہر حال جمہوری ذہن کے سیاسی راہنما ہیں۔ جماعتی ناراضگی اور زرداری صاحب کی وعدہ فراموشی کے باوجود میں مخدوم صاحب سے یہ توقع نہیں کرتا کہ وہ موجودہ جمہوریت اور آمریت کے مقابلے میں آمریت کا ساتھ دیں گے۔ انہوں نے زندگی بھر جمہوریت کے لئے لڑائی لڑی ہے اب آخری وقت پر وہ اپنی ساری کمائی ضائع نہیں کریں گے کیونکہ اگر وہ کنارہ کشی کرتے ہیں تو اس سے نہ صرف ان کا جمہوری ایجنڈا تباہ ہوگا، ان کی عوامی حمایت پر کاری ضرب لگے گی بلکہ زرداری صاحب کے اس تاثر کی بھی تصدیق ہو جائے گی کہ مخدوم صاحب در پردہ صدر پرویز مشرف سے ملے ہوئے تھے کیونکہ اسی شے کی بنیاد پر انہوں نے مخدوم صاحب کو کھنڈے لگایا تھا۔ اب وقت ہے کہ مخدوم صاحب کھل کر جمہوری قوتوں کا ساتھ دیں اور الزام کا یہ داغ دھو ڈالیں۔ غلیل جنگ بچ چکا ہے، صفیں بنائی جا رہی ہیں اور دونوں طرف سے تیاریاں جاری ہیں۔ یہ وقت شکوک و شبہات کے اظہار اور شکایات کے اظہار لگانے کا نہیں، کیونکہ قوم ایک فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو چکی ہے اور ہمیں واضح طور پر فیصلہ کرنا ہے کہ ہم جمہوریت اور آئین کی بالادستی چاہتے ہیں یا آمریت کی۔ یاد رکھئے کہ یہی فیصلہ ہمارے مستقبل کی راہ متعین کرے گا۔ اس ضمن میں کئی اور خدشات اور خطرات کا بھی اظہار کیا گیا ہے جن پر انشاء اللہ پھر لکھوں گا فی الحال تھوڑے کو بہت سمجھیں۔



Print This Post



Email This Post

Posted in [Columns, Dr. Safdar Mehmood](#) [No Comments »](#)

Weswesey Aur Andeshey?

August 10th, 2008

دوسے اور اندیشے؟

صبح بخیر..... ڈاکٹر صفدر محمود

کوئی دس برس قبل میں واشنگٹن گیا تو امریکی دارالحکومت کے دل ”کیپٹل ہل“ کے قریب ایک ہوٹل میں ٹھہرنے کا موقع ملا۔ ان دنوں امریکی سینٹ کا اجلاس ہو رہا تھا۔ میں صبح وشام سیر کے لئے لکھن تو بہت سے امریکی سینٹرز کو اپنے کتوں کے ساتھ ادھر ادھر گھومتے دیکھتا۔ کچھ ایسی ہی صورت حال میں نے تقریباً تمام یورپی ممالک میں دیکھی ہے کیونکہ امریکی اور یورپی اقوام کتے بڑے شوق سے پالتی ہیں۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ کتا بنیادی طور پر وفادار جانور ہوتا ہے۔ روکھی سوکھی کھا کر بھی مالک کے دروازے پر پڑا رہتا ہے اور مالک ذرا بھی ڈانٹے یا شکارے تو وہ مالک کے قدموں میں ”لوٹ پوٹ“ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی صحافی انگلستان کے سابق وزیراعظم ٹونی بلیر کو صدر بٹش کا ”پوڈل“ (Poodle) کہا کرتے تھے اور ٹونی بلیر اس تعریف (Compliment) اور عزت افزائی پر بہت خوش ہوتے تھے۔ وضاحت کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ پوڈل انگریزی لفظ ہے جس کا ترجمہ گھنگھریالے بالوں والا گھریلو کتا کیا جاسکتا ہے جسے ہمارے ہاں عام طور پر ”کتورا“ کہتے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ جب صدر پرویز مشرف نے نئے اقتدار میں آئے تھے تو دنیا کو اپنی روشن خیالی کا پیغام دینے کے لئے گوڈ میں دو کتورے (پوڈل) اٹھا کر تصویریں کھینچوایا کرتے اور اخبارات میں اہتمام سے چھپوایا کرتے تھے۔ اسی طرح جب صدر مشرف اپنی سوانح عمری کی پروموشن کے لئے امریکہ گئے تو وہاں وہ ایک مشہور امریکی ٹی وی پروگرام میں بطور مہمان بلوائے گئے۔ اس پروگرام کا ہوسٹ طنز و مزاح اور حاضر جوابی کا بادشاہ سمجھا جاتا ہے۔ صدر صاحب کی کارکردگی اچھی رہی لیکن مجھے یاد ہے کہ اس پروگرام کے ہوسٹ نے اگلے پروگرام کے آغاز میں پاکستان اور افغانستان کو اپنے کتورے (Poodles) کہہ کر یاد کیا اور ناظرین کو ہنسیا تھا۔ ویسے اس کا اشارہ پاکستان اور افغانستان کے سربراہوں کی جانب تھا اور مقصد ان کی وفاداری کا اعتراف کرنا تھا اور ان سے محبت کا اظہار کرنا تھا۔

امریکہ اور یورپی ممالک میں کتے کو صرف نجی اور گھریلو زندگی تک محدود رکھا جاتا ہے لیکن پاکستان جیسے پسماندہ ممالک میں اس جانور کی خصوصیات سیاسی زندگی میں بھی تلاش کی جاتی ہیں۔ بہر حال یہ ایک لمبی بحث ہے جس کا فی الحال وقت نہیں۔ میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ مغربی تہذیب کے برعکس ہمارے ہاں لیڈروں کو شیر بننے، شیر کہلانے اور شیر سے نسبت جوڑنے کا بہت شوق ہوتا ہے کیونکہ شیر کو جنگل کا بادشاہ کہا جاتا ہے، وہ بہادری کی علامت سمجھا جاتا ہے اور دوسرے جانوروں کی چیز بھاڑ کا شوق رکھتا ہے۔ شاید ہمارے سیاسی لیڈروں کو شیر اسی لئے پسند ہوتا ہے کہ وہ اکٹھے جھپکنے میں حملہ آور ہوتا اور مخالف کے نکلے نکلے کر دیتا ہے۔ مصطفیٰ کھر پنجاب کے گورنر تھے تو شیر پنجاب کے نعرے لگواتے تھے اور اپنے مخالفین سے شیر جیسا ہی سلوک کرتے تھے۔ اقتدار سے نکلے، سیاست کی گلیوں میں رسوا ہوئے تو بقول غصے بھنگی بی بی بن گئے۔ ذرا سنبھلے تو پے در پے شادیاں کر کے شیر ہونے کا ثبوت دینے لگے۔ کہتے ہیں کہ شیر کسی دوسرے کا مارا ہوا شکار نہیں کھاتا۔ وہ خود شکار کرتا اور کھاتا ہے۔ مصطفیٰ کھر بھی یہ شہرت رکھتے ہیں اور اس حد تک وہ مانے ہوئے شیر ہیں۔ نہ جانے آج کل کہاں ہیں کیونکہ آج کل کھر خاندان کے حوالے سے صرف حنا کھر کا ذکر ہوتا ہے، مصطفیٰ کھر کہیں غائب ہیں حالانکہ مواخذے کا طبل بجنے کے بعد انہیں بھی شیر کے انداز میں میدان میں اتارنا چاہئے تھا۔ مصطفیٰ کھر کے بعد شیر بننے کا شوق جس سیاست دان نے پالا وہ ہمارے مہربان اور کرم فرما میاں نواز شریف ہیں۔ میاں صاحب وزیراعلیٰ پنجاب تھے تو انہوں نے وزیراعلیٰ ہاؤس کے ”کاری ڈار“ یعنی اندرونی برآمدے میں ایک حوطہ شدہ شیر سجا رکھا تھا جو ہر آنے والے کا استقبال کرتا تھا۔ وہ شیر بظاہر خاصا خوفناک تھا اور اپنے تیز دانتوں اور کھلمنہ کے ساتھ شکاری انداز میں ہر مہمان پر عرب اور خوف طاری کر دیتا تھا اور پھر اسی وحشیانہ کیفیت میں لوگ وزیراعلیٰ سے ملا کرتے تھے جو خود نرم خور اور نرم گفتار تھے۔ پرویز مشرف نے حکومت کا تختہ الٹا تو شیر کے ساتھ کیا بیٹی آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ چند روز قبل یہ شیر اصل حالت میں آگیا اور وہ یوں کہ میاں صاحب پہلے تو کئی ماہ تک زرداری صاحب سے صدر کے مواخذے اور تجویز کی بجائی پر مذاکرات کرتے رہے جن کا سلسلہ اعلان مجبور بن سے لے کر دینی اور اسلام آباد تک پھیلا ہوا ہے لیکن جب وہ زرداری صاحب کے رویے اور ناٹال منول سے مایوس ہوئے تو لندن چلے گئے۔ لندن میں تین ہفتے گزار کر انہیں احساس ہوا کہ یہ مسئلہ اس طرح حل نہیں ہوگا۔ اب وقت آگیا ہے کہ زرداری صاحب سے فیصلہ کن انداز میں بات کی جائے۔ مسلم لیگ (ن) وزارت میں پہلے ہی چھوڑ چکی تھی اب اس کے پاس فقط پنجاب کی حکومت رہ گئی تھی جہاں چھوٹا شیر یعنی چیتا حکومت کر رہا تھا۔ گویا میاں صاحب زرداری سے فیصلہ کن گفتگو کر کے شاید پنجاب کی حکومت سے بھی تائب ہونے والے تھے کیونکہ وہ اتحاد یعنی کولیشن کو کسی قیمت پر چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ مختصر یہ کہ زرداری صاحب کے بڑے بھائی میاں نواز شریف لاہور آئے، زرداری سے فیصلہ کن ملاقات کے مراحل طے ہونے لگے تو میاں صاحب نے اسلام آباد جانے سے قبل ماڈل ٹاؤن میں ایک بھرپور پریس کانفرنس کی۔ اخباری خبروں کے مطابق اس پریس کانفرنس کے موقع پر میاں صاحب نے اصلی شیر ”ککے“ کے ساتھ باندھ رکھا تھا جو وقتاً فوقتاً چنگاڑتا بھی رہتا تھا۔ پریس کانفرنس میں شریک ایک رپورٹر نے مجھے بتایا کہ دراصل شیر چنگاڑتا نہیں تھا وہ یہ نعرہ لگاتا تھا کہ ”میاں ساڈا شیر اے، باقی ہیر پھیر اے“۔ اصلی بات تو میرا رب ہی جانتا ہے کیونکہ میں پاکستان کے سیاستدانوں اور شیروں کی زبان سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، یہ کہتے کچھ اور کرتے کچھ ہیں۔ اخباری خبر کے مطابق پریس کانفرنس کے دوران یہ شیر مسلسل شور مچاتا رہا اور اسلام آباد کی طرف منکر کے فیصلہ کن جارحانہ انداز میں چنگاڑتا رہا۔ چنانچہ ایک موقع پر خود میاں صاحب اپنے پالتو شیر کے شور سے تنگ آگئے اور اخباری خبر کے مطابق انہوں نے ملازمین کو حکم دیا کہ شیر کو چپ کراؤ۔ گچی بات یہ ہے کہ جب میں نے یہ خبر پڑھی تو سوچ میں پڑ گیا کہ کیا شیر کو چپ بھی کرایا جاسکتا ہے؟ کیا ایسا شیر بھی دنیا میں پایا جاتا ہے جسے غصے سے کہیں ”اوپھ ہو جا“ تو وہ کتے کی مانند پاؤں میں لوٹ پوٹ ہونے لگے اور خرانے لگے۔ بہر حال اس پریس کانفرنس کے بعد میاں صاحب اسلام آباد آگئے اور بالآخر ان کے اور زرداری صاحب کے درمیان صدر کے مواخذے کا فیصلہ ہو گیا۔ میرا خیال ہے کہ اگر شیر اسلام آباد کی طرف منکر کے نہ چنگاڑتا تو شاید اس بار بھی زرداری صاحب اپنے برادر کرم کو فچہ دے جاتے۔

لیکن اس میں بھی زرداری صاحب نے نہایت ذہانت سے کام لے کر میاں صاحب کی ترجیحات بدل دیں جس سے نہ ہی صرف عزیزم اعتراز احسن بلکہ بہت سے وکلاء لیڈروں کو ان گنت اندیشوں اور وسوسوں نے گھیر لیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ججوں کی بحالی پہلے ہونی چاہئے تھی جیسا کہ میاں صاحب نے دعویٰ کیا تھا اور پھر اس کے بعد صدر صاحب کے مواخذے کا ڈول ڈالا جاتا۔ ویسے میاں صاحب خود بھی یہ سمجھتے تھے کہ اگر عدلیہ بحال ہو جائے تو جسٹس افتخار چوہدری خود صدر صاحب سے نپٹ لیں گے اسی لئے صدر صاحب فرمایا کرتے تھے کہ وہ جسٹس افتخار چوہدری اور ان کے ساتھیوں کی بحالی کسی صورت بھی قبول نہیں کریں گے چاہے انہیں B(2) 58 سی لگانی پڑے۔ وکلاء کو خطرہ ہے کہ مواخذہ کی تحریک کامیاب نہیں ہو سکے گی چنانچہ نتیجہ کے طور پر ججوں کی بحالی کی کشتی بھی ڈوب جائے گی اس لئے انہیں گلہ ہے کہ میاں صاحب نے ایسا کیوں کیا؟

دو بندے آپس میں جھگڑ رہے تھے کہ شیر انڈا دیتا ہے یا بچہ، ایک ضد کر رہا تھا کہ شیر انڈا دیتا ہے جبکہ دوسرے کو اصرار تھا کہ شیر بچہ دیتا ہے۔ اتنے میں ایک بزرگ قریب سے گزرا تو جھگڑنے والے حضرات نے اسے فیصلہ کرنے کے لئے بلایا۔ اس بزرگ نے دونوں کی بات سنی اور یہ کہہ کر آگے چل دیا کہ شیر جنگل کا بادشاہ ہوتا ہے وہ چاہے تو انڈہ دے، چاہے تو بچہ دے۔ برادر م اعتراز احسن اور ان کے ساتھیوں کو علم ہوتا چاہئے کہ میاں صاحب ہماری سیاست کے شیر ہیں وہ چاہیں تو پہلے صدر کا مواخذہ کروائیں، چاہیں تو پہلے جج بحال کروائیں۔ بہر حال اعتراز احسن اور ان کے ساتھیوں کو چاہئے کہ اب وہ اندیشے اور وسوسے پالنے کی بجائے اور فضا میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی بجائے مواخذے کی کامیابی کے لئے دعا کریں اور سیاسی دباؤ کے ذریعے دوا بھی کریں تاکہ ججوں کی بحالی کی راہ ہموار ہو سکے۔ ہمارے پاس فی الحال اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں۔



Print This Post



Email This Post

Posted in [Columns](#), [Dr. Safdar Mehmood](#) [No Comments »](#)

Muakhza Aur Muhasiba

August 9th, 2008

موافقہ اور محاسبہ

صبح بخیر..... ڈاکٹر صفدر محمود

ارادہ تھا کہ آج قوم کی بہادر بیٹی ڈاکٹر عافیہ صدیقی پر لکھوں گا جسے پاکستان کے بد بخت حکمرانوں نے ڈالروں کے عوض امریکہ کے ہاتھوں بیچ دیا۔ میں ہر لمحہ عافیہ کے لئے دعا گو ہوں اور اس کی واپسی کے لئے اللہ تعالیٰ سے التجائیں کرتا ہوں۔ دکھ کی بات تو یہ ہے کہ صرف عافیہ ہی اس عتاب کا شکار نہیں بنی، کتنے ہی پاکستانی شہریوں کو امریکہ کے حوالے کیا جا چکا ہے اور مسودہ جنووے سمیت ان گنت پاکستانیوں کو ہماری خفیہ ایجنسیوں نے اٹھا کر اپنے عقوبت اور مصوبت خانوں میں بند کر رکھا ہے۔ انہی معصوم قیدیوں کی بددعائیں نہ صرف ہماری خفیہ ایجنسیوں کے سروں پر سیاہ بادل بن کر چھا رہی ہیں بلکہ حکمرانوں کے لئے بھی جہنم کا ایندھن تیار کر رہی ہیں۔ مملکت خداداد پاکستان کا آئین اپنے شہریوں سے بنیادی حقوق کا وعدہ کرتا ہے اور یہی آئینی حقوق پاکستانی شہریوں کو مملکت سے وفاداری کے رشتے میں منسلک کرتے ہیں۔ سربراہ مملکت اور حکمران وقت رعایا کے ”باپ“ کی مانند ہوتا ہے جس کا بنیادی فرض شہریوں کو احساس تحفظ فراہم کرنا ہوتا ہے لیکن جو سربراہ مملکت اپنی ہی بیٹیوں اور بیٹوں کو غیروں کے ہاتھوں فروخت کرنا شروع کر رہے ہیں اور پھر اس نفرت انگیز کارنامے پر فخر بھی کرے اس کا نہ صرف موافقہ بلکہ محاسبہ بھی ہونا چاہئے کیونکہ اپنے شہریوں کو دوسرے ملک کے حوالے کرنا اپنے ملک کے آئین کی لٹی (VIOLATE) کے مترادف ہے۔ اگر انہوں نے کوئی جرم کیا ہے تو ان پر اپنے ملک میں مقدمہ چلانا آئین و قانون کا تقاضا ہے لیکن انہیں گھر سے اٹھا کر خفیہ ایجنسیوں کے عقوبت خانوں میں بند کر دینا یا اپنے شہریوں کو ڈالروں کے عوض امریکہ کے ہاتھوں بیچ دینا اپنے آئین سے روگردانی اور بغاوت ہے جو موافقہ کی بنیاد بن سکتی ہے۔ دارآن ٹیرر (WAR ON TERROR) کی آڑ میں اپنے ہی معصوم شہریوں، بچوں اور خواتین کا قتل، لالہ مسجد کے معصوم بچوں اور بچیوں کے قتل، تین نومبر کے ”مارشل لا“ اور عدلیہ پر کاری ضرب، قومی خزانے کی لوٹ مار سے لے کر اکتوبر 1999ء میں منتخب حکومت کا تختہ الٹنے، جمہوری نظام کی بساط لپیٹ کر آمرانہ نظام مسلط کرنے، انتخابات میں دھاندلی کے ذریعے اپنے پہلے پھر دوبارہ اقتدار لاکر اٹھوٹھا چھاپ پارلیمنٹ کے قیام تک وہ ”کارہائے نمایاں“ ہیں جن کا صدر صاحب کو نہ صرف پاکستانی عوام کو حساب دینا ہوگا بلکہ آگے جہان میں بھی جواب دینا ہوگا۔ اس پس منظر میں پاکستان کی تاریخ بہر حال انہیں قومی مجرم قرار دے گی اور ان کے ساتھیوں کو اس جرم میں برابر کا شریک سمجھے گی البتہ پارلیمنٹ کیا کہتی ہے اور کیا کرتی ہے یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ لکھنے کا ارادہ تو کسی اور موضوع پر تھا لیکن کل زرداری صاحب اور میاں نواز شریف کی پریس کانفرنس اور صدر کے موافقہ کے اعلان نے مجھے اپنا ارادہ ملتوی کرنے پر مجبور کر دیا۔ اگرچہ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ کولیشن حکومت نے موافقہ کا فیصلہ بہت تاخیر سے کیا ہے تاہم اب بھی یہ فیصلہ خوش آئند ہے اور میں اسے پاکستان میں جمہوریت کے مستقبل کے لئے ایک نیک فال سمجھتا ہوں کیونکہ پاکستان کے جمہوری نظام پر شب خون مارنے کی روایت مضبوط ہو چکی ہے اور ہم اپنی قومی زندگی کے تیس برس فوجی آمروں کی غلامی میں گزار چکے ہیں، اس لئے اس کا راستہ روکنا نہ ہی صرف جمہوری مستقبل بلکہ قومی وقار کے لئے بھی ضروری ہے۔ ہماری تاریخ میں پہلی بار صدر کے موافقہ سے اور خاص طور پر فوجی صدر کے موافقہ کی تحریک لائی جا رہی ہے جسے پوری قوم کی حمایت اور دعائیں حاصل ہیں۔ فوجی صدر میں نے اس لئے لکھا کہ اگر جنرل مشرف کی جگہ کوئی سیاسی صدر ہوتا تو وہ اٹھارہ فروری کے انتخابات کے نتائج دیکھ کر ہی استعفیٰ دے دیتا لیکن فوجی صدر ہر قیامت پر اور آخری لمحے تک کرسی اقتدار سے چٹا رہتا ہے۔ ملک تو ذکر اور مشرقی پاکستان کو علیحدہ کر کے بھی بچکی خان برسر اقتدار رہتا تھا اور اس مقصد کے لئے باقاعدہ اس نے ایک مختصر سا دستور بھی جاری کر دیا تھا جو میری کتاب میں بطور ضمیمہ شامل ہے۔ باعزت شخصیت آمروں کا مقدر نہیں ہوتی، وہ چور دروازے سے آتے اور عبرت کا نشان بن کر رخصت ہوتے ہیں۔ صدر جنرل پرویز مشرف نے بھی اس ملک میں آخری لمحے تک لڑنے کا اعلان کیا ہے کیونکہ انہیں اپنے کمانڈر ہونے پر ناز ہے لیکن وہ نہیں سمجھتے کہ یہ جنگ وہ اپنی ہی قوم کے خلاف لڑیں گے جس نے انتخابات میں اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔ اب قوم کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ آمرانہ قوتوں کو سبق سکھائے اور آمروں کے ساتھیوں کا بھی محاسبہ کرے کیونکہ یہ مسئلہ صرف حکومت اور صدر صاحب کا نہیں بلکہ دراصل اب قوم کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ وہ ملک میں جمہوریت چاہتی ہے یا آمریت۔

صدر کے موافقہ کے لئے طریقہ کار کیا ہے؟ اس کی تفصیلات آپ اخبارات میں پڑھ چکے اور ٹی وی چینلوں پر سن چکے۔ صدر کا موافقہ کن بنیادوں پر ہوتا ہے یہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں اور سن چکے۔ اس وقت صورت کچھ یوں ہے کہ صدر کے موافقہ کے لئے پارلیمنٹ میں یعنی قومی اسمبلی اور سینٹ کے مشترکہ اجلاس میں 294 اراکین کی حمایت کی ضرورت ہے جبکہ کولیشن پارٹیز یعنی مخلوط حکومت کا دعویٰ ہے کہ انہیں اس مقصد کے لئے 305 اراکین کی حمایت پہلے ہی حاصل ہے اور وہ انشاء اللہ ساڑھے تین سو اراکین پارلیمنٹ کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو کیونکہ اب سیاسی میدان میں گھمسان کارن پڑے گا۔ مسلم لیگ (ق) ایم کیو ایم اور صدر صاحب کے باقی ماندہ حمایتی ہر قسم کا حربہ استعمال کر کے زیادہ سے زیادہ اراکین کو صدائی کیپ میں لانے کی کوشش کریں گے لیکن اگر انہیں دن میں تارے نظر آئے اور صدر صاحب کا مستقبل تاریکی میں ڈھلتا ہوا محسوس ہوا تو سیاسی خلفشار اور انتشار کے امکانات روشن کئے جاسکتے۔

موافقہ کی تحریک پیش ہونے سے قبل صدر صاحب B(2)58 کے ذریعے قومی اسمبلی اور حکومت کا پورا ہسٹری لیٹ سکتے ہیں لیکن تحریک پیش ہونے کے بعد ان کا یہ اختیار معطل ہو جاتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ غلام محمد سے لے کر غلام اٹلی خان اور لغاری صاحب تک جتنی اسمبلیاں ٹوٹیں، ان پر گورنر جنرل یا صدر کو فوج کی حمایت حاصل تھی۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ اب صدر پرویز مشرف کو اس اقدام کے لئے فوج کی حمایت حاصل نہیں ہوگی لیکن اگر صدر صاحب نے مایوس ہو کر اقتدار کی کارروائی کی جس کا امکان رد نہیں کیا جاسکتا تو پھر اقتدار ان کے ہاتھ سے بھی نکل جائے گا اور سیاسی منظر یکسر بدل جائے گا۔ خدا خواستہ اس صورت میں بہت سے عوامل کے پیش نظر جن میں معاشی بدحالی، سیاسی ابتری اور سرحدی خطرات قابل ذکر ہیں کوئی بگڑہٹ پیش جیسی صورت

پیدا ہو سکتی ہے اس لئے دعا کی جانی چاہئے کہ صدر صاحب آئینی حدود میں رہ کر اپنا دفاع کریں گے اور کوئی ایسا اقدام نہیں کریں گے جس سے ریاستی ڈھانچے کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے۔ تاریخ یہی بتاتی ہے کہ آج تک ہر فوجی آمر نے اپنی رخصتی کے وقت اپنے ہی پیدا کردہ نظام اور سیاسی بساط کو لپیٹ کر اقتدار چھوڑا۔ ایوب خان نے نہ صرف اپنا بنایا ہوا آئین دفن کیا بلکہ اقتدار سے رخصتی کے وقت سیاسی ڈھانچہ بھی گرا دیا، یحییٰ خان نے یہی کیا اور صدر ضیاء الحق نے بھی اپنی ہی بنائی ہوئی جو نیچو حکومت کو گھر بھجوا دیا۔

کولیشن کے مواخذے کے اعلان کے بعد ملک میں سیاسی بے یقینی کا دور شروع ہو چکا ہے جس کے اثرات زندگی کے ہر شعبے پر پڑیں گے، اس لئے بہتر یہ ہوگا کہ مواخذے کے مسئلے کو زیادہ دیر تک لٹکا یا نہ جائے اور آئینی تقاضے پورے کرنے کے بعد اسے جلد از جلد چٹا دیا جائے تاکہ پاکستان میں سیاسی استحکام کا سورج طلوع ہو۔ تجویز کی بحالی اور عوامی مسائل کو حل کرنے کے لئے یکسوئی سے کام کیا جائے۔

اس عرصے میں کولیشن پارٹنرز مخلوط حکومت کو نہایت مستعدی اور احتیاط سے آگے بڑھنا ہوگا کیونکہ مواخذے کی تحریک نے ان گنت دوسروں اور اندیشوں کو جنم دیا ہے جن کا تدارک کرنے کے لئے سیاسی بصیرت اور اعلیٰ حکمت عملی کی ضرورت ہے۔ قوم کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کرے مواخذے کی تحریک کامیاب ہو، آمریت کا باب بند ہو اور جمہوریت کی راہیں روشن ہوں کہ اس میں مستحکم اور مقتدر پاکستان کا راز مضمر ہے۔



Print This Post



Email This Post

Posted in Columns, Dr. Safdar Mehmood No Comments »

Dil Dukhta Hai!!

August 8th, 2008

دل دکھتا ہے!!

صبح بخیر..... ڈاکٹر صفدر محمود

آج سے تقریباً ایک ماہ قبل جب میں بیرون ملک گیا تو قومی افتخ پر مایوسیوں کی سیاح چادر تھی ہوئی تھی اور لوگوں کی امیدوں کو چاند گرہن لگ چکا تھا۔ میں اگرچہ پاکستان کے حوالے سے نہایت خوش فہم اور پر اعتماد انسان ہوں اور پاکستان کے بہتر مستقبل اور مقدر پر پورا یقین رکھتا ہوں لیکن اس راجحیت پسندی کے باوجود میں ملکی حالات سے دل شکستہ تھا۔ اس دل شکستگی میں جہاں افغانستان کے ساتھ سرحدی علاقوں کی مفدوش صورت، خانہ جنگی، اتحادی فورسز کے حملے، انہما پسندوں اور دہشت گردوں کی کارروائیاں، مہنگائی اور دیگر عوامل کا حصہ تھا وہاں حکومت کی ناکامی بلکہ نااہلی بھی ایک اہم فیکٹر تھا۔ ایک ماہ کے بعد واپس لوٹا ہوں تو مایوسی کی وہ چادر مزید تاریک ہو چکی ہے کیونکہ اس عرصے میں حکومت کی نااہلی کا نقش ابھر کر سامنے آ چکا ہے، وزیراعظم کے امریکی دورے نے پاکستانی قیادت کی ساکھ کو مزید نقصان پہنچایا ہے، مہنگائی، بیروزگاری، معاشی ابتری، سیاسی انتشار اور لاقانونیت اپنے جوبن پر ہے اور ہر پاکستانی کے چہرے پر مایوسی کے سائے لہرا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس صورتحال نے غیر جمہوری قوتوں کو خوشی و مسرت کا سماں دیا ہے اور وہ صدر پرویز مشرف جو کل تک ملک کے غیر مقبول ترین حکمران تھے، اب حکومت کی کارکردگی پر تبصرے فرما رہے ہیں اور اپنے دور حکومت کی کارکردگی کو بہتر قرار دے رہے ہیں۔ میرا تجربہ اور مشاہدہ یہی ہے کہ اس طرح کے سیاسی و معاشی تناظر میں اس طرح کے فوجی صدر کے ایسے تبصرے بے معنی اور بے مقصد نہیں ہوتے بلکہ دراصل وہ کسی بڑے اقدام کی تیاری کا شاخسانہ ہوتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ کسی بڑے اقدام کا فیصلہ کیا جا چکا ہے یا یہ طے شدہ امر ہے بلکہ اس پر محض ایک آپشن کے طور پر کام کیا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر یہ فائر کرنا پڑے یا تیر چلانا پڑے تو اس کے لئے زمین پیلے سے ہموار ہو اور پھر یہ کہ مایوس عوام کسی ایسے بڑے اقدام پر شدید رد عمل کا اظہار نہ کریں۔

مایوسیوں کی اس سیاح چادر میں صرف ایک ہی غمناک ہوا ستارہ نظر آتا اور امید دلاتا ہے اور وہ یہ کہ اگرچہ ججز بحال نہیں ہوئے، صدر کا مواخذہ نہیں ہوا لیکن اس کے باوجود اللہ کا شکر ہے کہ کوالیشن قائم ہے۔ مسلم لیگ (ن) اور پی پی پی اس لمحے تک اتحاد کے رشتے میں شملک ہیں۔ اگرچہ اس اتحادی رشتے کا دھماکہ اس قدر کمزور اور نازک ہے کہ کسی لمحے بھی ٹوٹ سکتا ہے اور ٹوٹ کر قومی سیاسی منظر کو یکسر بدل سکتا ہے۔ کل رات اس خطرے کا اظہار کیا جا رہا تھا کیونکہ حکومت نے سندھ ہائی کورٹ کے ججز کی بحالی کی سری چپکے سے صدر مملکت سے منظور کرائی تھی جبکہ دوسری طرف مسلم لیگ (ن) سے ججز کی بحالی اور صدر کے مواخذے پر مذاکرات بھی جاری تھے۔ ہمارے حکمرانوں کے لئے یہ مقام فکر ہے اور سوچنے کی بات ہے کہ وہ بار بار ایسی حرکات کیوں کرتے ہیں جن سے ان کی جگہ ہنسائی ہوتی ہے اور ان کے وقار کو گہری ٹھیس لگتی ہے۔ محضی انتخابات کا وقت آیا تو جناب رحمن ملک صاحب نے اچانک انتخابات ملتوی کروائے اور اس التوا کے لئے صوبوں کی خواہش کا بہانہ بنایا گیا حتیٰ کہ صوبہ سرحد کی حکومت نے واضح طور پر اس کی نفی کر دی اور الیکشن کمیشن یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ ہمیں وزارت داخلہ نے التوا کی ہدایت کی تھی۔ ظاہر ہے کہ اس التوا کا مقصد میاں شہباز شریف کی وزارت اعلیٰ کا راستہ روکنا تھا جس پر اظہار زرداری صاحب بھی تیار ہوئے لیکن کیا انہوں نے اس رد عمل اور منافقت کا نوٹس لیا؟ ہرگز نہیں۔ پھر ایک دن آئی ایس آئی کو وزارت داخلہ کے ماتحت کرنے کی نوٹیفیکیشن جاری کر دی گئی لیکن اگلے ہی دن وزیراعظم صاحب جو زبانی طور پر اسے واپس لینے پر مجبور ہوئے باخبر حلقوں کا دعویٰ تھا کہ یہ حکم نامہ مشیر داخلہ کی منظوری سے جاری ہوا جبکہ مشیر داخلہ نہ صرف اس سے انکار ہی تھے بلکہ واشنگٹن میں اس حوالے سے کچھ ”سروں“ (Heads) کوڑھکانے (Roll) کی دھمکیاں دیتے پائے گئے لیکن مادر وطن واپسی کے بعد دوسروں کے سروں کوڑھکانے کی بجائے وہ اپنا سر بچانے میں مصروف ہو گئے۔ چار ماہ کی حکومت کے دوران اس سلسلے کی تیسری کڑی کل سندھ ہائی کورٹ کے ججز کی بحالی تھی جسے مسلم لیگ (ن) کی قیادت کے احتجاج نے وقفہ طور پر روک دیا۔ ایک طرف زرداری صاحب اپنے بڑے بھائی میاں نواز شریف سے مستقبل کی حکمت عملی یعنی ججز کی بحالی اور صدر کے مواخذے پر مذاکرات کر رہے تھے تو دوسری طرف خواجہ آصف کے برادر نسبی اور وزیر قانون فاروق ناٹیک صاحب غلط بیانی کر کے وزیراعظم سے سری پر دستخط کروا کر صدر مملکت کی منظوری کے لئے بھجوا چکے تھے۔ یقین کیجئے کہ ایسے ہی موقع پر شکیپیز کا وہ مشہور ڈانسیا لگ دہرایا جاتا ہے:

"This is the most unkindest cut of all"

ترجمہ: (یہ سب سے زیادہ بے رحمانہ ضرب ہے)

اگرچہ کل بہت سے ٹی وی چینل سندھ ہائی کورٹ کے معزول ججز کی بحالی کی اس نوٹیفیکیشن کو ”سیوتا“ قرار دے رہے تھے۔ اس کا رتاے کا سارا ملہ جناب فاروق ناٹیک پر ڈال رہے تھے اور مسلم لیگ (ن) اور پی پی پی کے مذاکرات کی ناکامی کی پیشین گوئی کر رہے تھے لیکن مجھے اس حد تک اطمینان تھا کہ کم سے کم اس بار اس کا رتاے کے ڈانڈے ہمارے مہربان رحمن ملک کی وزارت سے نہیں ملے۔ البتہ یہ بات سوچنے کی ہے کہ آخر حکومت بار بار کیوں لڑکھڑا رہی ہے؟ بار بار اپنے اندرونی انتشار، دو عملی اور کمزوری کاراز کیوں فاش کر رہی ہے؟ یہ سوچنا ہوں تو لاشعور سے ایک ہی سوال ابھرتا ہے کہ کیا ایسی حکمرانی کو حکمرانی کہا جاسکتا ہے؟ کیا ایسی حکومت صحیح معنوں میں حکومت کہلانے کی حقدار ہوتی ہے؟ یہ خیال آتا ہے تو دل دکھتا ہے لیکن اس دل کا کیا کروں یہ تو اور بھی بہت سی باتوں پر دکھتا ہے، سیاسی مستقبل کے حوالے سے اندیشوں کے تیر بھی میرے دل کو بھروح کر دیتے ہیں لیکن سب سے بڑھ کر ڈاکٹر عافیہ صدیقی..... میری بیٹی..... قوم کی ذہین اور غیرت مند بیٹی..... کے تصور ہی سے دل پارہ پارہ ہو جاتا ہے اور خون کے آنسو رونے لگتا ہے لیکن ان دکھوں کو کل تک اٹھا رکھتا ہوں۔ فی الحال یہ شعر:

آرزو کا کبھی رونا، کبھی اپنا ماتم
دل سے کوئی پوچھے کیا دل نے لیا دل ہو کر

|  Print This Post |  Email This Post

Posted in [Columns](#), [Dr. Safdar Mehmood](#) No Comments »

Page 5 of 31 «23456789»...Last »